تحقیق وتنقید

اسپین میں مسلم فن تعمیر کا ارتقار

ڈاکٹر سید آصف علی رضوی

اسپین میں مسلم فن تعمیر کا آغاز آٹھویں صدی عیسوی میں مسجد قرطبہ سے ہوا اور چودھویں صدی عیسوی میں قصر الحمرا پر اپنے بام عروج پر پہنچا[1]۔ اسپین میں علوم وفنون کا یہ سفر گزشتہ ادوار کا ہی نہیں بلکہ آنے والی صدیوں کا بھی سب سے قیمتی اثاثہ بنا۔ ایسا اثاثہ جس کی نظیر زمانے کو پھر کبھی میسر نہ آسکی۔

کسی بھی عمدہ فن تعمیر میں چند خصوصیات کا ہونا ناگزیر ہے جن کے بغیر وہ اپنے مقاصد کما حقہ پورے نہیں کرسکتا۔ ان خصوصیات میں پائیداری، جدت، خوبصورتی و رعنائی ہیبت ونزاکت اور اصولِ حفظانِ صحت وغیرہ شامل ہیں مسلم اسپین کا فن تعمیر ان تمام خصوصیات سے مزین تھا جو کسی بھی عمدہ فن تعمیر کا حصہ ہوتی ہیں۔ ذیل میں انہی خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

تعمیر کی بنیادی اور اہم خاصیت اس کی پائیداری ہے۔ اگر تعمیر کے وقت ایسی تکنیکیں استعمال کی جائیں اور سائنسی تحقیقات کے ذریعہ ایسے مرکبات تیار کیے جائیں جو عمارتوں کو حوادث زمانہ کے تھپیڑوں سے زیادہ سے زیادہ عرصہ تک تحفظ دے سکیں تو وہ فنِ تعمیر اپنے مقاصد حاصل کرسکے گا۔ اسپین کے مسلم حکمرانوں اور ماہرین فن تعمیر نے ہمیشہ اس پہلو کو مدِ نظر رکھا۔ چنانچہ ان کی عمارات میں چونے، مٹی اور پتھر کے مرکب مسالے کا استعمال اکثر ہوتا تھا۔ اس مسالے کی خاصیت یہ تھی کہ جس قدر یہ پرانا ہوتا جاتا تھا اسی قدر مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جاتا تھا[2]۔ مسالہ جو مثلِ سنگِ مرمر نہایت صاف، مضبوط اور پائیدار ہوتا تھا، اسپین میں مسلم فن تعمیر کا جزو لاینفک تھا۔ چنانچہ بعض عمارتیں جیسے مسجدِ قرطبہ، قصر الحمرا، جنت المعارف غرناطہ مسجد محمد بن عبدالرحمٰن دوم جس کا سنگ بنیاد حنش بن عبداللہ شافعی نے رکھا تھا اسی مسالے سے تعمیر ہوئیں۔ یہ عمارتیں اپنی تعمیر پر کم وبیش سات صدیاں گزرنے کے باوجود بدستور قائم ہیں اور جن سیاحوں نے ان

عجوبۂ روزگار عمارتوں کو بچشمِ خود دیکھا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی چمک اور صفائی بدستور موجود ہے۔

دوسری ترکیب یہ استعمال کی گئی تھی کہ مرکب مسالے کا استعمال کم کرنے کے لیے بڑی بڑی اینٹیں استعمال کی گئی تھیں لیکن مضبوطی و پائیداری کے لیے ان اینٹوں کی ایک جانب کھدائی کر دی گئی تھی تاکہ خالی جگہوں میں مسالہ زیادہ سے زیادہ مقدار میں سرایت کر جائے۔ نیز بعض صورتوں میں عمارت کو مضبوط تر بنانے کے لیے تمام دیوار ہی پتھر سے تعمیر کی جاتی تھی۔ مسجد قرطبہ میں ان تینوں تراکیب کو استعمال کیا گیا ہے۔

عمارتوں کی مضبوطی کا انحصار اس کے عمارتی ساز و سامان کے ساتھ اس کی بنیادوں پر بھی ہوتا ہے۔ اہلِ اسپین نے ہمیشہ اس امر کا خصوصی خیال رکھا کہ دیواریں چوڑی اور بہت زیادہ گہری ہوں ایک مورخ لکھتا ہے کہ جب خلیفہ عبدالرحمان الناصر (۹۱۲ء تا ۹۶۱ء) کا زمانہ آیا تو انھوں نے مسجد کا سب سے بڑا صومعہ (گنبد) گروا دیا۔ پھر ازسرِ نو اس طرح اس کی بنیادیں کھدوائیں جس طرح کنویں کے لیے زمین کھودی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ پانی نکل آیا[۳] واضح رہے کہ یہ طرزِ تعمیر جامع قرطبہ سے شروع ہوا جو بعد ازاں مسلم اسپین کا امتیازی نشان بن گیا۔ مزید براں عمارتوں کی مضبوطی کے لیے پشتوں اور برجوں کا کثرت سے استعمال ہوتا تھا۔ خاص کر جو عمارتیں جنگی مقاصد کے لیے تعمیر ہوتی تھیں۔ ان میں پشتے، بلند بروج اور خوبصورت مورچے اکثر و بیشتر بنائے جاتے تھے۔ ہشام اول بن عبدالرحمان اول (۷۸۷ء تا ۷۹۶ء) اور عبدالرحمان دوم بن حکم اول (۸۲۱ء تا ۸۵۲ء) کے دور میں جو عمارتیں بطور خاص جنگی مقاصد کے لیے بنائی گئی تھیں ان میں یہ طرزِ تعمیر نظر آتا ہے۔ حکم اول (۷۹۶ء تا ۸۲۱ء) کے زمانے میں طلیطلہ کے لوگوں کو دھوکے میں رکھنے کے لیے عمال کے لیے جو شہر[۴] بنایا گیا تھا۔ اس میں یہ طرزِ تعمیر بطورِ خاص پوری طرح نظر آتا ہے۔

عمارتوں کی مضبوطی کے لیے محرابوں کا استعمال بھی بکثرت[۵] نظر آتا ہے۔ اگرچہ محرابوں کا استعمال زمانۂ قدیم سے مروج رہا ہے۔ لیکن مسلمانوں نے اس دور میں جو جدتیں کیں وہ ان کی فہم و فراست، علوم ہندسہ میں مہارت اور الجبرا و جیومیٹری میں غیر معمولی دسترس کا نتیجہ تھی۔ محرابوں پر تفصیلی بحث آئندہ صفحات میں ہوگی۔

ایک اور خاصیت جو اس دور کی عمارتوں میں نظر آتی ہے وہ ان کی وسعت کشادگی اور بلندی ہے۔ جامع مسجد قرطبہ اپنے عہد کی نہایت وسیع و عریض، بلند و بالا اور کشادہ عمارت تھی جس کا طول مشرق سے مغرب تک تقریباً پانچ سو فٹ تھا اور اس کی خوشنما محرابوں کی تعداد ۱۴۱۷ تھی۔ یہاں کا محرابی نظام صحیح معنوں میں عربی فنِ تعمیر کا نمونہ ہے۔ محرابیں ایک دوسرے کو قطع کرتی ہیں جبکہ ستون ایک دوسرے کے آر پار جاتے ہیں۔ شامی طرز کے خوبصورت مینار ہیں اور ایک کشادہ صحن ہے۔ اس کا ایک مینار ایک سو آٹھ (۱۰۸) فٹ بلند تھا۔ اس پر چڑھنے اور اترنے کے لیے دو زینے تھے اور ہر زینہ میں ایک سو سات سیڑھیاں تھیں۔ یہ مینار جو ہشام اول بن عبدالرحمان اول (۷۸۷ء تا ۷۹۶ء) نے تعمیر کرایا تھا اپنی بلندی اور خوبصورتی کی وجہ سے اپنے زمانے میں عجائباتِ عالم میں شمار ہوتا تھا۔ اصلاً یہ اذان دینے کا مینار تھا۔ جس مقام پر مؤذن اذان دیتا تھا وہاں اس کا طول میں رقبہ ۵۴ ہاتھ تھا اوپر کے انتہائی رقبہ کی لمبائی ۴۷ ہاتھ تھی جبکہ چوڑائی فی مربع ۱۸ ہاتھ تھی۔ یہ مینار دراصل اس افریقی طرز کی نمائندگی کرتا ہے جو کہ شامی طرزِ تعمیر سے مشتق ہے۔

مسجد کو مزید بلند کرنے اور ساتھ ہی قدیم ستونوں کو استعمال کرنے کے لیے اگر کچھ ضروری تھا تو یہ کہ کمانوں کو کافی بلند ستونوں پر اٹھایا جاتا (کیونکہ مسجد کی ابتدا میں پرانی عمارتوں۔ مال مفروتہ کے ستون استعمال ہو رہے تھے) نظری طور پر یہ اعتراض درست ہے لیکن عملاً گچ پتھروں کے ایسے پایوں کا نازک دھروں کے سروں پر جن کے سر اور پیر میں لگا ہوا سیسہ قدیم عمارتوں سے نکالنے اور پھر ان کو نصب کرنے میں خراب ہو چکا ہو، بنانا اور پھر ان پایوں کی چوٹیوں پر کمانوں کا اٹھانا خطرے سے خالی کام نہیں ہے۔ اس طرح عمارت کی ذرا سی چال بھی پوری عمارت کو گرا دینے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ ادھر کمانوں کی نچلی قطار بنا کر معمار ایک ایسی زیریں تعمیر مہیا کرنے کے قابل ہوئے جو مزید کمانوں اور ان پر اٹھائے جانے والے پایوں کو سہار سکتے تھے۔ اس طرح یہ کمانیں مطلوبہ بلندی حاصل کر لیتی تھیں۔ اس قابلِ حصول تعمیری مسالہ کو لے کر اس کو تعمیر میں استعمال کرنے کے مسئلہ کا اس سے بدیع اور اس سے زیادہ حیرت انگیز حل سوچنا ممکن نہیں۔ اس کے سوا یہ حل

دائمی چوبی متصلب پل کے لگانے سے بچالیتا ہے۔ یہی طریقہ قیروان میں استعمال کیا گیا ہے۔ اسی قسم کی مہارت دانائی اور حوصلہ مندی نے اس فنِ تعمیر کو عظمت، پائیداری اور ہیبت عطا کی۔ اس طریقہ کو شکل ۱ کے ذریعہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

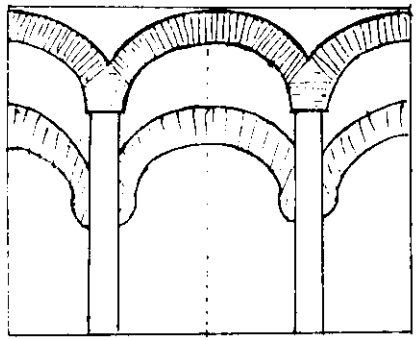

مسجد کا رقبہ وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتا گیا۔ عبدالرحمان سوم کے زمانے میں اس کا احاطہ ۲۲۵ گز لمبا اور ۲۰۵ گز چوڑا ہوگیا۔ الحکم دوم بن عبدالرحمان سوم (۹۶۱ تا ۹۷۶) نے اس کی لمبائی میں ۱۰۵ گز کا اضافہ کیا جس سے اس کی لمبائی ۳۳۰ گز ہوگئی۔ الحکم دوم کے تعمیری کاموں میں سب سے زیادہ قابلِ لحاظ کام محراب اور اس کے آگے مقصورہ کی تعمیر ہے۔ محراب کا نقشہ مثمنی ہے اور ایک یک سنگی مرمریں قبہ سے ڈھکا ہوا ہے۔ اس قبہ کے اندر سیپ میں نقش و نگار بنائے گئے ہیں اس کے آگے کے محصورہ حصے کو تین مرتفع کھانچوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان میں درمیانی کھانچہ ایک چھوٹے سے گنبد سے ڈھکا ہوا ہے۔ قیروان میں ابراہیم دوم نے دہلیز کے درمیانی کھانچے پر جو گنبد بنایا تھا وہ ایسی کمانوں پر اٹھایا گیا تھا جو زیریں تعمیر کے مربع کے زاویوں پر بنائی گئی تھی اس کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح ایک مثمنی گنبد حاصل ہو سکے۔ قرطبہ میں محراب کے مقابل محصورہ حصے کے وسطی کھانچے پر گنبد اٹھانے کے لیے حکم دوم کے معمار نے مربع سے مثمن میں صعود کے پاس طریقہ کو پُر کار بنایا ہے۔ مربع کے گوشوں پر کمانیں اس نے بھی اٹھائی ہیں لیکن گوشوں کے اطراف ۴۵ پر چار کمانیں نکال کر مثمن بنانے کے بجائے حکم دوم کے معمار نے ہر گوشے پر دو کمانوں کے حساب سے آٹھ کمانیں اس طرح اٹھائیں کہ

آٹھ کمانوں میں سے ہر ایک کمان کو دوسری دو کمانیں قطع کرتی ہیں۔ ذیل کے نقشہ میں یہ آٹھ کمانیں ایک بڑے مربع کے اندر ایک دوسرے کو قطع کرتے والے دو مربعوں کی شکل بناتی ہیں۔

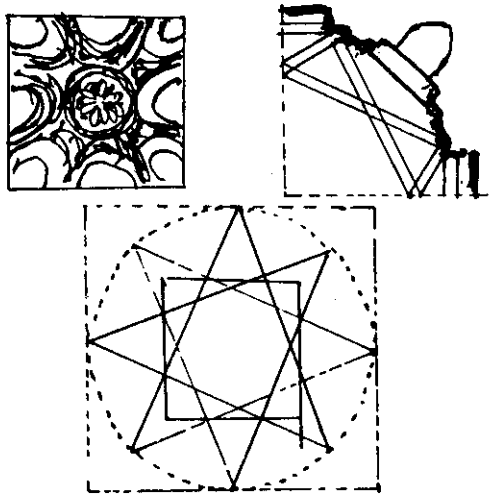

حاجب المنصور (ف ۱۰۰۲ء) نے اس کی چوڑائی میں ۸۵ گز کا اضافہ کیا جس سے اس کی چوڑائی ۲۹۰ ہوگئی۔ مسجد کی وسعت کا اندازہ یوں بھی لگایا جاسکتا ہے کہ صحن میں گیارہ صفیں تھیں درمیانی صف کی چوڑائی سولہ ہاتھ تھی۔ مشرقی و مغربی اردگرد کی چار صفوں کی چوڑائی چودہ ہاتھ اور باقی چھ صفوں کی چوڑائی گیارہ ہاتھ تھی۔ حاجب المنصور نے مسجد میں آٹھ صفوں کا اور بھی اضافہ کیا۔ مسجد کی کشادگی اس پہلو سے بھی اجاگر ہوتی ہے کہ مسجد کے اکیس دروازے تھے۔ نو مغربی جانب، نو مشرقی جانب اور تین شمال کی جانب تھے ان میں ایک دروازہ مقصورہ میں کھلتا تھا جو قصرِ خلافت سے ملا ہوا تھا۔[۵۹] مسجد میں محتاجوں، غربا اور مساکین کے لیے حجرے بھی بنائے گئے تھے۔

کشادگی اور وسعت کے لحاظ سے قصرِ کبیر بھی قابل ذکر ہے جو عبدالرحمان نے دوسری صدی ہجری کے وسط (آٹھویں صدی عیسوی) میں بنوانا شروع کیا تھا اور آنے والے تمام حکمران اس میں اضافہ کرتے رہے تھے نیز دمشق کے باغ

رصافہ کی طرز پر ایک نہایت وسیع وعریض باغ بھی لگایا تھا جس کا نام بھی باغِ رصافہ ہی تھا اس کا زمانہ بھی دوسری صدی ھ کے وسط کا ہی ہے۔ قرطبہ کے قریب وادی الکبیر کا پل اسی زمانے کی تعمیر ہے جو سترہ محرابوں[۱۰] پر مشتمل تھا۔

عبدالرحمان سوم کے دور میں تعمیر ہونے والا قصر الزہرہ (سن تعمیر ۳۲۵ھ بمطابق ۹۳۷ء) میں چار ہزار ستون تھے جن کی لمبائی شرق سے غرب تک دو ہزار سات سو اور چوڑائی ایک ہزار پانچ سو ہاتھ تھی۔ اس کی حدود کی دیواروں میں پندرہ ہزار بلند اور خوبصورت دروازے نصب تھے۔ شاہی محل میں چار ہزار تین سو ستون تھے اور اس کی مدت تعمیر چالیس برس تھی۔ حاجب المنصور کا قصر الزاہرہ (زمانۂ تعمیر دسویں صدی کا نصف آخر) اور اس کے محلات، سرکاری دفاتر، امرا کی رہائش گاہیں۔ مساجد و مدارس، باغات اور نہریں اپنی وسعت اور کشادگی میں مشہور تھیں[۱۱]

شاہِ طلیطلہ یحییٰ المامون (۱۰۴۳ء تا ۱۰۷۵ء) کا قصر مامون، ۱۱۹۹ء میں موحدین کا بنایا ہوا قصر اشبیلیہ اور موحدین ہی کا بنایا ہوا مینارِ اشبیلیہ (۱۱۸۴ء میں) اور شہرۂ آفاق قصر الحمرا جو ۱۲۴۸ء میں شروع ہوا تھا اپنی جملہ خصوصیات کے علاوہ اپنے رقبہ اور حجم کے لیے بھی شہرتِ دوام[۱۲] رکھتے ہیں۔

مسلم اسپین کے فنِ تعمیر کا ایک نمایاں ترین پہلو اس کی خوبصورتی اور رعنائی ہے جس نے اس کو زندۂ جاوید بنا دیا ہے۔ سید امیر علی لکھتے ہیں کہ ایک مصنف نے اس کو عالمِ دوراں کا زیور قرار دیا[۱۳]۔ یہ اعزاز اس کو فن تعمیر کی بنا پر ہی دیا گیا۔ اسپین کے صناعوں نے اس قدر عرق ریزی سے کام کیا کہ ان کی تخلیقات زندۂ جاوید ہو گئیں عبدالرحمان اول کے باغِ رصافہ کی چھت میں اس قدر نفاست اور مہارت سے سونے کے بیل بوٹے بنائے گئے تھے کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ اس میں دنیا بھر سے مشہور پھول اور خوش ذائقہ پھلوں کے درخت لگائے گئے تھے یہ باغ پورے یورپ کے لیے ایک نمونہ تھا۔ اس باغ کے انار، آڑو اور شفتالو لذت اور نزاکت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے بلاشبہ اس کو دنیا بھر کے نایاب پھولوں اور پھلوں کا ذخیرہ کہا جا سکتا ہے[۱۴] اس کی یہ خوبصورتی و رعنائی عبدالرحمان اول کے زمانہ میں تھی جس میں اس کے جانشین برابر اضافہ کرتے رہے یہاں تک کہ بہت جلد یہ باغ افسانوی شہرت

حامل اور سیاحوں کا موضوع بن گیا اسی طرح ہشام اول نے عیسائیوں سے جھڑپوں کے بعد اربونہ کے شہر کی فصیل کے قریب باب الجنا کے ساتھ جو مسجد ۷۹۲ء میں تعمیر کروائی تھی وہ خوبصورتی اور رعنائی کا ایک دلکش نمونہ تھی۔ قصر کبیر اپنی خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھا۔ محلات میں الکامل، المجدد، الروضیہ، المعشوق، المبارک، قصر السرور اور البدیع وغیرہ اسم بامسمّٰی تھے۔ ان محلات میں کثرت سے نہریں۔ آبشار۔ فوارے اور تالاب تھے۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ عرب کے صحرانشینوں کے لیے پانی اور اس کی وافر مقدار ایک نعمت تھی[۱۵] جس سے وہ زیادہ سے زیادہ مستفید ہونا چاہتے تھے۔ چنانچہ پانی کی فراہمی کے لیے بڑے اہتمام کیے گئے۔ زمین دوز نہروں کے ذریعے پہاڑوں سے پانی لایا گیا پھر اس کو سنگ مرمر کے منقش حوضوں میں پہنچایا گیا۔ اس مقصد کے لیے جو پائپ استعمال کیے گئے وہ زیادہ تر تانبے کے اور کہیں کہیں سونے اور چاندی کے ہوتے تھے[۱۶] عبدالرحمان سوم نے پانی کی ترسیل کے لیے ایک ٹنکی بنوائی۔ اس کی تعمیر میں جس اعلیٰ جمالیاتی ذوق کا مظاہرہ کیا گیا وہ اسپینی فن تعمیر کا مظہر تھا۔ یہ ٹنکی ستونوں پر قائم کی گئی تھی جو سائنٹفک تحقیقات کی روشنی میں اٹھائے گئے تھے۔ جس ٹنکی میں پانی جمع ہوتا اور پھر شہر میں لایا جاتا تھا ایک جگہ ایک شیر کے منہ کا خالص سونے کا مجسمہ بنایا گیا تھا جس سے پانی نکلتا تھا۔ شیر کے ایک طرف ایک آدمی کا مجسمہ تھا جو پانی کو شیر کے منہ میں ڈالتا ہوا نظر آتا تھا[۱۷]

اُس دور کی نادرِ روزگار تعمیرات میں قرطبہ کا پل بھی شامل ہے۔ اس کے بارے میں مقری لکھتا ہے کہ روئے زمین پر صناعی و رعنائی کے لحاظ سے عجیب غیر مرئی سی شے معلوم ہوتا ہے۔ الحکم دوم نے تو اس کو اس قدر دیدہ زیب بنا دیا تھا کہ پل سے گزرتے وقت ایسا لگتا جیسے آدمی کسی تخیل کی دنیا میں آن پہنچا ہے[۱۸] قصر الزہرہ کی نہروں، چشموں اور تالابوں میں ہزاروں رنگ کی مچھلیاں تیرتی تھیں۔ ان حوضوں کی تعمیر میں بھی اس قدر اعلیٰ ذوق کا مظاہرہ کیا گیا تھا کہ اس سے قبل اس کی مثال نہیں ملتی۔ سنگِ رخام کی مختلف شکلوں کے حوض تھے جن میں سے بعض پر سونا چڑھا ہوا تھا بعض حوضوں پر انسانوں کی تصویریں کندہ تھیں جو خلیفہ عبدالرحمان سوم کی خواب گاہ "مونس" میں نصب تھے۔ انسانی تصویروں کے علاوہ بارہ جانوروں کی تصویریں بھی کندہ کرائی

گئیں تھیں جو بیش قیمت موتیوں سے مرصع تھیں۔ ان شکلوں میں شیر، ہرن، مگرمچھ، اژدہے، عقاب اور ہاتھی کی شکلیں تھیں۔ حوض کے دونوں پہلوؤں پر کبوتر، شاہین، طاؤس مرغ اور گدھ کی تصویریں خالص سونے کی بنی ہوئی تھیں اور ان سب کے منہ سے پانی کے فوارے جاری ہوتے تھے۔[۲۰] یہ محل خالص رنگین ماربل سے بنا ہوا تھا۔ رنگوں میں سبز، گلابی پھولوں کی پتیوں جیسا اور سنگِ سلیمانی شامل تھا یہ پتھر دنیا بھر سے اکٹھا کیا گیا تھا۔ قصر میں یوں تو ان گنت فوارے تھے۔ لیکن ان میں سے دو قابل ذکر ہیں۔ ایک نسبتاً بڑا تھا جو پرس کا تھا اس کے اوپر اس قدر ملمع کیا گیا تھا کہ خالص سونے کا معلوم ہوتا تھا چھوٹا فوارہ سنگِ سبز کا تھا جو شام سے منگوایا گیا تھا۔ قصر کا ایک حصہ قصر الخلفاء کے نام سے مشہور تھا اس کی چھت پر طلائی کام کیا گیا تھا۔ اس کے وسط میں ایک خوبصورت فوارہ نصب تھا جس کے سر پر وہ مشہور موتی آویزاں تھا جس کو شہنشاہ یونان نے خلیفہ سوم کو تحفہ میں بھیجا تھا۔[۲۱] اسی محل کے ایک کمرے میں سنگِ ساق کا ایک بڑا حوض تھا جس میں پارہ بھر دیا گیا تھا۔ قصر کے گرد بڑے بڑے آئینے نہایت خوشنما ہاتھی دانت کے چوکھٹوں میں جڑے اور مختلف اقسام کی لکڑیوں کے مرصع دروازے سنگِ مرمر اور بلوری چوکھٹوں پر نصب تھے۔ جس وقت یہ دروازے کھلوائے جاتے اور آفتاب کی شعاؤں سے قصر روشن اور منور ہوتا تو کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کی چھت اور دیواروں کی طرف نظر بھر کر دیکھ سکے۔ شاہی محل کا ایک نہایت خوبصورت کمرہ جو ملاقاتوں کے لیے مخصوص تھا انسانی صناعی کی ایک نادر مثال تھا۔ یہ کمرہ ماربل اور سونے سے بنا ہوا اور جواہرات سے مرصع تھا۔[۲۲]

عبدالرحمان سوم نے مسجد قرطبہ کی خوبصورتی میں بھی محیر العقول اضافہ کیا۔ اس کے زمانے میں مسجد کے طول و عرض میں جو اضافہ ہوا اس کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے اس کی خوبصورتی و رعنائی کا اندازہ اس امر سے بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ اس وقت مسجد میں چھوٹے بڑے دس ہزار جھاڑ اور فانوس روشنی کے لیے جلا کرتے تھے جن میں تین بڑے خالص چاندی اور بقیہ پیتل کے بنے ہوئے تھے۔ ان تین چاندی کے فانوسوں میں حجم اس قدر تھا کہ ان میں چھتیس سیر تیل جلا کرتا تھا نیز بڑے جھاڑ میں ایک ہزار چار سو اسی پیالے روشن ہوتے تھے۔ محراب کے قریب ایک بلند منبر

خالص ہاتھی دانت اور چھتیس ہزار مختلف قسم کی لکڑی کے ٹکڑوں سے بنا تھا نیز اس کو ہر قسم کے جواہرات سے مرصع کیا گیا تھا۔ اس منبر کی قیمت ہی بتیس ہزار سات سو پانچ دینار سرخ تھی اور اس عہد میں مسجد کی تعمیر پر دو لاکھ اکسٹھ ہزار پانچ سو تیس دینار سرخ خرچ ہوئے تھے۔ الغرض اس زمانے میں مسجد اپنے ڈھانچے کے لحاظ سے بہت زیادہ[۲۲] پرشکوہ تھی مسجد کے کتبات اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں ان کا کوفی رسم الخط باوقار اور دلکش ہے۔ کندہ کاری اور گلکاری دونوں کا تعلق صرف اور صرف اسلامی فن سے ہے۔ جس میں بیل بوٹوں سے نقش و نگار بنائے جاتے ہیں۔ الحکم دوم کی فرمائش پر نقش و نگار کا سامان جو وزن میں تیس ہزار پونڈ تھا، پچی کاری کے ایک کاریگر کے حوالے کر دیا گیا۔ الحکم دوم نے متعدد غلام بھی اس نقاش کے سپرد کر دئے جن میں سے بعض غلام گل کاری کا کام مدینۃ الزہرہ میں سیکھ رہے تھے۔[۲۳]

فن تعمیر میں خوبصورتی و رعنائی کا یہ سفر بنو امیہ کے اقتدار کے بعد بھی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری رہا۔ حاجب المنصور نے عیسائی ریاستوں سے پچاس سے زائد لڑائیاں لڑیں اور وہاں سے جو غنیمتیں حاصل کیں وہ سب کی سب اس مسجد پر صرف کر دیں۔ اس کے دور میں مسجد کو جو بھی دیکھتا وہ عش عش کر اٹھتا دو سو تیس سال میں امویوں کے فن تعمیر نے جتنی بھی ترقی کی اس کی سب سے بہتر یادگار یہی مسجد تھی۔ بڑے بڑے صناعوں کو اس کی زیبائش کا موقع ملا اور ہر دور کے صناعوں نے اس مسجد کی دیواروں، دروازوں اور پیشانی پر اپنی ہنر مندی کے نقوش ثبت کیے۔

حاجب المنصور نے اپنے مقاصد[۲۵] کی تکمیل کے لیے قصر الزاہرہ کے نام سے ایک نیا شہر بنایا جس کی تعمیر میں چالیس سال لگے۔ اس شہر میں سرکاری دفاتر امراء اور عمال کے محل، باغات، نہریں، فوارے، حوض، مساجد، مدارس، خانقاہیں اور شفاخانے بنوائے۔ اسپین کے بہترین انجینئروں نے اپنے تخیل کو عملی جامہ پہنایا اور اس کی تعمیر میں بے مثال ہنرمندی دکھائی۔ اسی کے عہد حکومت میں وادی الکبیر کے پل پر ایک لاکھ چالیس[۲۶] ہزار دینار سرخ خرچ ہوئے جس سے نہ صرف رفاہِ عامہ کے لحاظ سے اس کی افادیت میں اضافہ ہوا بلکہ یہ علم ہندسہ میں مسلمانوں کی صناعتی مہارت کا ایک عظیم مظہر بن گیا۔

قصر مامون جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا گیا ہے اس کی تعمیر پر بے شمار دینار خرچ ہوئے تھے۔ اس قصر کے گنبد کا شہرہ چار دانگ عالم میں تھا گنبد رنگ دار شیشہ کا تھا۔ اس پر سونے کے طلائی نقش ونگار بنائے گئے تھے۔ مسلمان کاریگروں نے نہایت مہارت سے گنبد کے اوپر پانی چڑھایا تھا یہ پانی گنبد کے اوپر سے گر کر اس کی دیواروں پر بہتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے گنبد نے آب رواں کا پیرہن اوڑھ رکھا ہو۔ لیکن کمال یہ تھا کہ پانی ایک لمحہ کے لیے بھی نہ رکتا اور نہ گنبد کے اندر ایک بوند جاتی۔ جب اس گنبد کے اندر روشنی ہوتی تو عجیب سا سماں بندھ جاتا۔ کبھی قوس وقزح کے رنگ بنتے اور کبھی پانی آتشی رنگ میں نظر آتا۔ الغرض قصر کی تعمیر اور آرائش وزیبائش میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی تھی اور وہ اپنے وقت کا حسین ترین قصر تھا۔ اس کے علاوہ طلیطلہ کے گرد بنی ہوئی فصیل، لسک کا دروازہ جس کی تعمیر نویں صدی عیسوی میں شروع ہوئی نیز باب الشمس چودھویں صدی عیسوی میں تعمیر ہوا، اپنی مہارت، پائیداری اور خوبصورتی میں لاجواب تھے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ دونوں دروازوں کی تعمیر مختلف صدیوں میں ہوئی لیکن نفاست نزاکت اور پائیداری میں کوئی کمی نہیں آئی۔ واضح رہے کہ یہ مسلمانوں کے انحطاط اور عدم استحکام کا دور تھا۔

مینار اشبیلیہ جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے اس کی تعمیر ابو یعقوب یوسف (۱۱۶۳ تا ۱۱۸۴ء) کے زمانہ میں شروع ہوئی۔ مشہور زمانہ عالم ابو اللیث اس کے نگراں اعلیٰ تھے۔ جو ہندسہ، الجبرا اور جومیٹری کے علوم میں مہارت کی بنا پر مشہور تھے۔ مینار کی تعمیر ۱۱۷۳ء میں شروع ہوئی اور ۱۱۹۵ء میں ابو یوسف یعقوب (۱۱۸۴ تا ۱۱۹۹) کے زمانہ میں تکمیل پذیر ہوئی۔ یہ مینار بلاشبہ صناعانِ اسپین کے تخیل کی کرشمہ سازی کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ اس کی شہرت کا اصل سبب اس کے بے مثل نقش ونگار اور اس کی دیدہ زیب آرائش ہے۔

قصر الحمراء کی خوبصورتی، رعنائی، نزاکت، وقار اور ہیبت کو لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ مسجد قرطبہ، قصر رصافہ اور وادی الکبیر کے پل کی بنیادیں جس طرح عبدالرحمان الداخل نے رکھیں اور آنے والے تمام حکمراں اس کی خوبصورتی اور دلربائی کے لیے کام کرتے رہے اسی طرح قصر الحمراء کی بنیاد غرناطہ کے خاندانِ بنو نصر کے بانی محمد

یوسف بن احمر بن نصر (۱۲۳۲ تا ۱۲۷۲) نے ۱۲۴۸ء میں رکھی اور اس کی تکمیل محمد پنجم بن یوسف اول (۱۳۶۲ تا ۱۳۹۱ء) نے کی۔ اس دوران اس قصر پر ریاستِ غرناطہ کے وسائل، فنکاروں کی صلاحیتیں اور ماہرین علوم ہندسہ اور الجبرا کی قابلیتیں صرف ہوتی رہیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ قصر روئے زمین پر بہشت کا ایک حصہ معلوم ہونے لگا یوں تو تمام الحمرا ہی قابلِ دید ہے۔ لیکن بیت البکر اور بیت السفر عجائباتِ دنیا میں سے ہیں۔ سکاٹ اس کے بارے میں لکھتا ہے کہ قصر غرناطہ سلطنتِ غرناطہ کی عظمت۔ اس کے حکمرانوں کے اعلیٰ ذوق اور فخر و مباہات کا عکاس ہے اور عجائبات عالم میں سے ہے۔ اس تاریخی ورثے کے امین اس پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے[۳۲]

اسپین کے فن تعمیر کی ایک اور نمایاں خصوصیت اس کی جدت پسندی ہے مسجدِ قرطبہ کی عجمی محراب مسلمانوں کی اختراع ہے اس میں دوہری کھڑکیاں ہوتی تھیں جن کو علٰحدہ کرنے کے لیے درمیان میں ایک نازک سا دل فریب ستون قائم کیا جاتا تھا۔ اسی طرح نوکیلی محراب اسپین سے ہی یورپ میں گئی تھی۔ ستونوں کے ضمن میں یہ پہلو قابل تسلیم ہے کہ مسلمانوں سے قبل اسپین میں ان کا استعمال عام تھا لیکن ان میں نزاکت، نفاست، پائیداری اور دیدہ زیبی کا فقدان تھا۔ مسلمانوں نے الجبرا، جیومیٹری اور علم ہندسہ کی مہارت سے ان میں نزاکت اور پائیداری کی امتیازی خصوصیات پیدا کیں۔ جامعِ قرطبہ کے وہ ابتدائی ستون جو کہ مالِ مفروقہ کے طور پر قدیم عمارتوں سے لائے گئے تھے ان کی بناوٹ۔ قصر الزاہرہ اور قصر الحمراء کے ستونوں سے یکسر مختلف تھی اور قصر الحمراء کے بیت الاسود کے ستونوں کو دیکھ کر تو ایک عام آدمی بھی اہلِ اسپین کی جدت پسندی اور فہم و فراست کو تسلیم کر لیتا ہے اور بلاشک و شبہ اس کو مسلمانانِ اندلس کی اختراع قرار دیتا ہے۔ موسیو بران ژی جیسا ماہر تعمیرات ان کو خالص عربوں کی ایجاد کہتا ہے[۳۳]

پچی کاری کے بارے میں اسکاٹ واضح طور پر لکھتا ہے کہ سفالی کی پچی کاری میں مسلمانانِ اسپین کی اولیت مسلمہ ہے ان کی جدت پسندی اور نت نئی تراکیب دیواروں اور ستونوں پر اس طرح کندہ ہیں کہ یورپ اور ایشیا کے نقادان فن تعمیر

کے لیے باعثِ حیرت و استعجاب ہیں۔ گستاولی بالکل درست لکھتا ہے کہ طرزِ عربی اور طرزِ عیسوی کے میل سے اندلس میں ایک نئی طرزِ تعمیر پیدا ہوئی جس کو "مذینہ" کہتے ہیں اور یہ طرز مدت دراز تک باقی رہی بلکہ جیسا کہ حال کی عمارات اشبیلیہ کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت بھی اس کا اثر موجود ہے[۳۵]

گچ کا کام محیر العقول ہونے کے ساتھ اس قدر جدت لیے ہوئے تھا کہ اس کے بنانے کی ترکیب اس سے قبل استعمال ہوئی نہ اس کے بعد اس سے استفادہ کیا گیا کیونکہ اس کے بنانے کی ترکیب موجدوں کے ساتھ ہی چلی گئی[۳۶] لیکن ماہرین کی تحقیق کے مطابق اس کے اجزائے ترکیبی میں چونا، جسپم اور انڈوں کی سفیدی شامل ہوتی تھی۔ مٹی چونا اور پتھر تو ہر عمارت کا سامانِ تعمیر ہوتا ہے لیکن ماہرین کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسی نئی نئی طرح ڈالتے ہیں یا ان مروجہ اور مستعمل مرکبات میں ایسے اجزا ملا دیتے ہیں جو نہ صرف عمارت کو پائیداری اور مضبوطی عطا کرتے ہیں بلکہ سے نیا تشخص فراہم کرتے ہیں اسپین کے ماہرینِ فن نے اس میں ایسے اجزا ملا دئے تھے جن سے نہ صرف ان کی پائیداری اور مضبوطی میں اضافہ ہوا تھا بلکہ اس کی بنا پر حشرات الارض دیواروں پر نہیں[۳۷] آتے تھے۔ یہ ایک ایسی جدت تھی جس کا ذکر کسی بھی فنِ تعمیر میں نہیں ملتا۔

امویوں سے قبل اسپین میں صدیوں سے عمارتیں بن رہی تھیں لیکن انھوں نے اس فن تعمیر میں شامی انداز اور علوم ہندسہ والجبرا اور جیومیٹری کا بھرپور استعمال کیا۔ امکاٹ لکھتا ہے کہ عربوں نے ریاضی کو زیادہ اہم جانا۔ انھیں اس میں غیر معمولی مہارت نصیب تھی۔ انھوں نے اپنی عمارتوں کی تعمیر میں اس سے بہت کام لیا۔ یہ بات پایۂ تصدیق کو پہنچ چکی ہے کہ دسویں صدی عیسوی کے شروع میں قرطبہ، اشبیلیہ، بلنسیہ ملانہ اور طلیطلہ کی درس گاہوں میں ہندسہ اور الجبرا کے ساتھ انجینئرنگ یعنی نقشہ کشی اور عمارتیں بنانے کی عملی تعلیم دی جاتی تھی[۳۸] چنانچہ ان کی عمارتوں کا انداز اندلس کی قوطی اور رومی عمارتوں سے بے حد مختلف تھا بلاشبہ وہ ابتدا ہی سے قطعی مختلف نہ تھا اور خاص طور پر ابتدا میں چھتوں، محرابوں اور ستونوں میں خاصی مشابہت پائی جاتی ہے مثلاً قرطبہ و اشبیلیہ کی مساجد کے میناروں کے انتہائی حصوں کو دانستہ شعلہ نما صورت دے کر مجوسی[۳۹] طرزِ تعمیر اپنایا گیا تھا اور اسپین میں رہنے کے باوجود عرب

معماروں نے مروجہ فنِ تعمیر کے دیگر مختلف گوشوں کو اپنے فنِ تعمیر میں اختیار کیا تھا لیکن جلد ہی انھوں نے ان میں نئی ایجادات کیں۔ کہیں ستون کے بیندوں میں اضافہ کیا۔ کہیں اوپر کے حصوں کو بدل ڈالا۔ کہیں محرابوں کو پھیلا دیا۔ کہیں تکنکی شکل دے دی۔ کہیں محرابوں اور قوسوں کو رومی شکل دے دی اور کہیں اپنے علم ہندسہ و جیومیٹری کی مدد سے اس محراب کی بالکل ہی منفرد شکل بنائی جس سے قوس میں ندرت اور حسن پیدا ہو گیا۔ اگرچہ یہ انداز مصر میں بھی اختیار کیا گیا لیکن اندلس و افریقہ میں ایک جدت یہ پیدا کی گئی کہ قوس کے نیچے کے حصے کی موڑ بڑھتی گئی یہاں تک کہ قوس کی وہ خاصیت پیدا ہو گئی جسے نعل اسپینی یا پھیلی ہوئی قوس کہتے ہیں جو اس فنِ تعمیر کی تمام عربی عمارتوں میں پائی جاتی ہے۔[۳۹]

یہ ایک حقیقت ہے کہ گنبد عربوں کی ایجاد نہیں ہے۔ عربوں کے فنِ تعمیر سے قبل ہی ملوکِ ساسانیہ کی مذہبی و سرکاری عمارتوں اور شرقی محلات میں گنبد کا استعمال ہوتا تھا لیکن عربوں نے جو کورانہ تقلید کے قائل نہیں تھے اور ہر جگہ جدت و ندرت کو اختیار کرتے تھے گنبد کو بھی عربی انفرادیت دے دی۔ چنانچہ عربی گنبد اوپر سے پتلا اور نیچے سے دبا ہوتا ہے۔ عربوں نے گنبد کی شکل مختلف ممالک میں مختلف رکھی ہے۔ ایران میں یہ مخروطی ہیں۔ روم میں یہ مخروطی ضرور ہیں لیکن اوپر سے گول ہیں۔ افریقہ میں ایک ہی مسجد میں مختلف اشکال لیے ہوئے ہیں۔ یہی حال مصر میں ہے کہ ہر منزل مختلف صورت کی ہے اور اندلس میں یہ عام طور پر مربع شکل کے ہیں۔ ماہرین فنِ تعمیر اس بات پر متفق ہیں کہ عربوں کی ذکاوت اور صناعی اور کسی چیز سے اس قدر نہیں معلوم ہوتی جیسی ان مختلف رنگ ڈھنگ کے میناروں سے آشکارا ہوتی ہے۔ انہی خصوصیات کو دیکھتے ہوئے اسکاٹ لکھتا ہے کہ عربی فنِ تعمیر کسی چیز میں بھی رومہ کے عظیم الشان آثار و باقیات کی مرہونِ منت نہیں ہے۔ ان کو رومی عمارتیں پسند آئیں مگر اس کے باوجود انھوں نے نقالی نہیں کی۔ انھوں نے ویسی کی ویسی عمارتیں نہیں کھڑی کر دیں انھوں نے ان عمارتوں سے اثر قبول کرنے کے باوجود نئی عمارتیں تعمیر کیں ایسی عمارتیں جو ان عظیم الشان عمارتوں کا مقابلہ کر سکیں۔[۴۰]

اس فنِ تعمیر میں کتبات کی بھی ایک اہمیت تھی۔ کیونکہ وہ بھی اپنے اندر ایک

خوبصورتی اور رعنائی رکھتے ہیں۔ ان کو نہایت منفرد انداز میں مختلف رنگوں اور مختلف سائزوں میں لکھا جاتا تھا۔ یہ کتبات عام طور پر قرآنی آیات، احادیثِ مبارکہ، ضرب الامثال اشعار اور بانیٔ عمارت سے متعلق ہوتے تھے۔ دیواروں، عمارتوں کی پیشانیوں اور دالانوں میں عربی رسم الخط میں تحریریں عربی سے نابلد لوگوں کے لیے جاذب نظر بیل بوٹے اور خوش رنگ گل کاریاں تھیں۔ قرآنی آیات کے یہ کتبات مسجد غرناطہ قصر الزہرہ۔ قصر الحمراء کی مساجد اور دیگر عبادت گاہوں میں بیل بوٹوں کی شکل میں نقش تھے۔ اس کے علاوہ، قرطبہ کے قصر الزہرہ، قصر الزاہرہ، قصر اشبیلیہ، مینارِ اشبیلیہ اور قصر الحمراء وغیرہ کی تزئین و آرائش میں بھی یہ فن اپنے عروج پر پہنچا۔ حتیٰ کہ عام عمارتوں میں بھی یہ فن بدرجۂ اولیٰ نظر آتا ہے۔ سکاٹ لکھتا ہے کہ ان عمارتوں کی زیبائش کے لیے جتنے طریقے استعمال کیے گئے ان سب میں خوش خط عربی حروف میں لکھی عربی عبارتیں تھیں، اندلسی عربی ہنرمند اور فنکار کچھ اس انداز سے قرآنی آیات دیواروں کی پیشانیوں پر نقش کرتے کہ طرح طرح کے بیل بوٹے بن جاتے۔ یہ اس قدر خوبصورت ہوتیں کہ پادریوں نے مسلمانوں کے زوال کے بعد انگلے میں ان کو اپنی عبادت گاہوں میں آویزاں کر دیا۔ سکاٹ نے اس کی مثال بھی دی ہے کہ سینٹ پیٹر کے سب سے بڑے گرجا کے سب سے بڑے دروازے پر جو بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں ان میں قرآنی آیات لکھی ہیں حتیٰ کہ کلمۂ طیبہ بھی ہے۔ عربوں نے ان کلمات کو کچھ ایسی خوبصورت شکل دی تھی کہ عربی سے ناواقف لوگ ان کو بے معنی آرائشی بیل بوٹے سمجھے[۱۲] اس کی مزید تفصیل گستاولی نے دی ہے۔ انھوں نے کئی مصنفین مثلاً موسیو لانگ پیٹریر اور موسیو لا دوا کا حوالہ دیا ہے جنھوں نے یہ کتبے عیسائی عبادت گاہوں میں دیکھے۔ گستاولی مزید لکھتے ہیں کہ کلیسائے سینٹ پیٹر کے اس دروازے پر جہاں پوپ پوژین کی مورت ہے۔ حضرت عیسیٰ کے سر کے گرد عربی حروف کا ہالہ ہے اور سینٹ پیٹر اور سینٹ پال کے کپڑوں پر بھی ایک ایک عربی لائن لکھی ہوئی ہے[۱۳]۔

عربوں کے فنِ تعمیر میں اس قدر جاذبیت اور کشش تھی کہ باوجود بدترین تعصب اور دشمنی کے فرانس والوں نے گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی میں یہ فنِ تعمیر اختیار کیا حتیٰ کہ بعض عبادت گاہیں تک اسی نمونے پر تعمیر ہوئیں۔ شہر ماگ ارنڈ کا کلیسا ۱۱۷۸ء

میں بنا جس میں کنگروں کی تزئین عربوں کے طرز پر کی گئی۔ اس کے بعد تو پورا یورپ اندلس کے اسلامی فنِ تعمیر کا کورانہ مقلد بن گیا۔ پیرس کا مشہور کلیسا نوتردام کو بھی عربی اندلسی فنِ تعمیر پر استوار کیا گیا حتیٰ کہ اس کے کاریگر تک عرب تھے۔ اس کے برجوں اور قلعوں کے دروازوں کے چھجوں اور سامنے نکلے ہوئے کنگروں تک کو ویسی ہی شکل دی گئی جیسی مسلم فنِ تعمیر میں دی جاتی تھی۔ اسی طرح طلیطلہ کے کلیسا کے برج بالکل عرب میناروں کی نقل ہیں[۴۲ الف]

آرائشوں کے لیے طاقوں میں قلمی آرائشوں کا استعمال کرنا خاص عربوں کی ایجاد ہے کیونکہ اس وقت تک کسی اور قوم کی تعمیر میں یہ طرزِ آرائش نہیں پائی گئی۔ بارہویں صدی عیسوی کے بعد سے یہ طرز آرائش تمام اسلامی ممالک میں پھیل گئی اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس فنِ تعمیر نے یورپ کو ہی نہیں بلکہ ایشیا و افریقہ کے تمام اسلامی ممالک کو بھی متاثر کیا۔ یہ آرائش میناروں کے کٹہروں کے نیچے جہاں ان کے اور دیواروں کے تقاطع سے زاویے بنتے تھے۔ بنائی جاتی تھی۔ مساجد کی محرابی چھتوں میں ان مقامات پر جہاں یہ چھتیں دیواروں سے ملتی ہیں، مربع عمارتوں کے گنبدوں کے نیچے اور اسی قسم کے دیگر خالی مقامات میں اس آرائش کا استعمال ہوتا تھا[۴۳]

عربوں کی جدت پسندی کا ایک اور قابلِ ذکر پہلو عمارت کا رنگین کرنا ہے۔ اہلِ یونان و روم اپنی عمارتوں اور مورتیوں میں رنگوں کا استعمال نہیں کرتے تھے۔ اہالیانِ یورپ نے بھی ان کی تقلید کرتے ہوئے سادہ اور سفید عمارت کو خوبصورت گردانا لیکن عربوں کی فطرت صناعیہ نے ان رنگین عمارتوں کو سفید عمارتوں پر ترجیح دی ان کی نسخی گل کاریوں میں مختلف اقسام کی رنگ آمیزیاں نہایت عمدگی اور خوش سلیقگی سے کی گئی ہیں الحمراء کی کل دیواریں پہلے زمانے میں رنگین تھیں اور مساجد کی بیرونی دیواروں پر بھی اکثر اوقات رنگ ہوتا تھا[۴۴]

الغرض اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اندلس میں مسلمانوں نے اسی طرح اپنے آپ کو ہر قسم کی تقلید سے علیحدہ کر لیا تھا جس طرح انھوں نے مصر میں کیا تھا سنہری زمین پر مشرقی آرائشوں کی جگہ بہت جلد نسخی اور قلمی آرائشیں قائم ہو گئیں۔

بہت جلد نسخی اور قلمی آرائشیں قائم ہوگئیں۔ محرابیں نکیلی ہوگئیں اور ان میں نازک گلکاریاں ہونے لگیں۔ قصر اشبیلیہ اور قصر الحمراء اس کی خوبصورت مثالیں ہیں الحمراء میں اگرچہ صرف تین ہی رنگ استعمال ہوئے ہیں یعنی نیلا، سرخ اور طلائی جس میں زرد بھی شامل ہے۔ لیکن ان رنگوں کی تقسیم نہایت خوش سلیقگی کے ساتھ کی گئی ہے۔

مسجد قرطبہ قصر مامون اور اشبیلیہ کے بلند و بالا مینار۔ قصر الزہرہ کے نازک ستون۔ پانی کی ترسیل کا نظام۔ قصر الزاہرہ اور قصر الحمراء کی نوکیلی محرابیں اور ان کا پیچ و خم اور قصر اشبیلیہ کی پھیلی ہوئی محرابیں اشکالِ ہندسی۔ علوم الجبرا جیومیٹری اور ہندسہ کی مرہونِ منت ہیں۔ مقری لکھتا ہے کہ الزہراء کا نقشہ تیار کرنے والا احمد مہندس تھا۔ جو اپنے وقت کا علوم ہندسہ۔ الجبراء جیومیٹری کا بہت بڑا عالم تھا[۵۴] اسی طرح ابنِ خلدون نے بھی جب عبدالرحمان سوم کی تعمیرات کا ذکر کیا ہے تو اس نے لکھا کہ خلیفہ نے مختلف ملکوں اور سرزمینوں سے بڑے بڑے مہندسوں، نقشہ کشی کے ماہروں اور انجنیروں کو بلایا[۵۵] اس طرح ابن حیان نے الزہراء کی تعمیر کا ذکر کرتے ہوئے مسلمہ بن عبداللہ العریف[۵۶] کا ذکر کیا ہے جو کہ علم ہندسہ، الجبراء جیومیٹری اور نقشہ کشی کا ماہر تھا اور اپنے زمانہ میں ان علوم پر بے مثل سمجھا جاتا تھا۔

اس فنِ تعمیر کی ایک نمایاں خاصیت اصولِ حفظانِ صحت کو ملحوظ رکھنا بھی تھا عمارتیں کشادہ، کمروں اور خواب گاہوں کے آگے اور پیچھے دالان اور گیلریاں، تازہ ہوا کی آمد و رفت کے لیے دیدہ زیب سنگ مرمر کی رنگین جالیاں۔ روشنی کے لیے بلند و بالا دروازے اور بڑے بڑے روشن دان۔ آکسیجن کی فراہمی کے لیے پھل دار و پھولدار پودے اور باغات نکاسیٔ آب کے لیے بدرویں اور صاف اور تازہ پانی کی فراہمی کے لیے محیر العقول انتظام یہ تمام پہلو تعمیرات کا جزوِ لاینفک ہوتے تھے۔ دیواروں پر سے حشرات الارض کے بھگانے کے لیے تعمیراتی مسالہ میں خاص مرکب شامل کرنے کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

ان تمام پہلوؤں کے ساتھ اہم اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ فنِ تعمیر کی ابتدا سے لے کر اس کی انتہا تک اخلاقی پستی یا ظلم و تعدی کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ جگہ کے حصول، سامان کی دستیابی یا ماہرین سے استفادہ غرض ہر جگہ اخلاق انصاف

اور حقوق کا خیال رکھا گیا۔ مسلمان اس ملک میں حکمراں تھے وہ چاہتے تو من مانی کارروائیاں کر سکتے تھے لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ جامع مسجد قرطبہ عبدالرحمان الداخل سے پہلے سینٹ ونسنٹ (Santevicenta) کے نصف حصہ پر قائم تھی۔ عبدالرحمان الداخل نے جب اس میں توسیع کرنا چاہی تو اس نے عیسائیوں کو پیغام بھیجا کہ وہ بقیہ حصہ بھی فروخت کر دیں پہلے تو عیسائیوں نے انکار کیا لیکن بعد میں ایک لاکھ دینار سرخ اور تمام مسمار شدہ گرجوں کی تعمیر نو کی اجازت پر اس کو فروخت کر دیا۔ اسی طرزِ عمل کا مظاہرہ عبدالرحمان سوم نے کیا۔ اور اسی روش کو حاجب المنصور نے بھی اپنایا۔

تعمیراتی سامان کے حصول کے مواقع پر بھی یہی طرزِ عمل اختیار کیا گیا۔ ہٹی اور دیگر مورخین کا یہ کہنا کہ مسلمانوں کی تعمیرات میں استعمال ہونے والا سامان لوٹ مار سے حاصل کیا گیا بالکل غلط ہے۔ یہ متعصبانہ سوچ علمی بد دیانتی ہے عبدالرحمان الناصر کا عہد اسپین کا سب سے مستحکم دور ہے اور تعمیرات کے سلسلہ میں بھی سب سے زیادہ ممتاز ہے لیکن اس دور میں بھی کیفیت یہ تھی کہ ابن حیان الزہراء کی تعمیر کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ سفید سنگ رخام مریہ اور ریہ سے لایا گیا تھا۔ الوردی اور سبز رنگ کے مرمر افریقہ قرطاجنہ اور اسفاقین سے آئے تھے۔ مقری بھی اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ افریقہ سے ایک ہزار تیرہ ستون آئے۔ بلادِ افرنج سے ۱۹۔ شاہِ روم نے ایک سو چالیس ستون تحفۃً بھیجے۔ باقی سب اندلس کے مختلف مقامات سے حاصل کیے گئے۔ رخام مجزع ریہ سے لاجوردی اور سبز افریقہ سے حوضِ منقوش و مذہب قسطنطنیہ سے احمد یونانی لائے۔ چھوٹا حوض شام سے منگوایا گیا اس کے لانے والے بھی احمد یونانی تھے۔ حوض پر بارہ مجسمے سونے کے بنے تھے۔ یہ سب کے سب قرطبہ کے سرکاری دار الصناعۃ میں تیار کیے گئے تھے۔

یہ امر بھی قابلِ توضیح ہے کہ ان خاص عمارتوں کے ذکر سے یہ مراد ہرگز نہ لیا جائے کہ اُس وقت کے حکمران تو جنت کدوں میں رہتے تھے لیکن عوام الناس کو سر چھپانے کے لیے جگہ میسر نہیں تھی۔ مسلم اسپین اس دور میں اپنی معلوم تاریخ سے موجودہ دور تک سب سے زیادہ خوشحال تھا۔ ہشام اول اور عبدالرحمان سوم کے دور میں تو تمام محصول

ختم کر دئے گئے تھے۔ کسانوں اور مزارعین کو غیر معمولی مراعات اور سہولتیں حاصل تھیں۔ عبد الرحمان سوم کے زمانے میں باغات کے لیے انعامات مقرر ہوئے اور اچھی پیداوار پر تحفے دئے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اندلس کا چپہ چپہ آباد ہوگیا۔ قرطبہ، غرناطہ، مرسیہ، اشبیلیہ، ماردہ، سرقسط، طلیطلہ، استجہ اور بلنسیہ کے مضافات تو جنتِ ارضی کے نمونے بن گئے۔ خاص طور پر غرناطہ، قرطبہ اور مریہ کے مضافات بے حد سرسبز و شاداب تھے۔ چالیس چالیس میل گلاب کے پودے سڑکوں کے دونوں طرف لگے تھے۔ ہر مکان اور ہر باغ میں سرکاری طور پر پانی کی فراہمی کا انتظام تھا۔ ملک کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جہاں تمام بنیادی ضروریات حکومت نے نہ پہنچائی ہوں۔ ہر قصبہ اور ہر شہر میں محتاج خانے اور ہسپتال بنے تھے۔ اپاہجوں کو سرکاری خزانے سے باقاعدہ تنخواہ دی جاتی۔ اندلس کا کوئی یتیم کوئی بیوہ اور کوئی محتاج حکومت کے خزانے سے تنخواہ پائے بغیر نہ رہتا۔ قرطبہ سے دس میل دور سے ہی اس کی روشنی نظر آنے لگتی جبکہ اس کے سیکڑوں سال بعد بھی لندن اور پیرس میں یہ حال تھا کہ شاہراہوں اور گلیوں میں ایک لیمپ بھی نہ جلتا تھا۔[۵۳]

اسپین کا فنِ تعمیر دورِ ولایت (۷۱۲ء تا ۷۵۶ء) سے شروع ہوا اور غرناطہ کے آخری مسلم حکمراں خاندان بنو نصر (۱۲۳۲ء تا ۱۴۹۲ء) میں اپنے بام عروج پر پہنچا۔ دورِ ولایت میں سرکاری و غیر سرکاری تعمیرات کے آثار ملتے ہیں جن میں عبد العزیز بن موسیٰ بن نصیر (۷۱۳ء تا ۷۱۵ء) کے محل کی تعمیر، سمح بن مالک خوالانی (۷۱۸ء تا ۷۲۱ء) کے عہد میں قرطبہ کے پل اور شہر اربونہ کی فصیل کی تعمیر و توسیع اور جنوبی فرانس کے شہر سپٹمینیا کے گرد و نواح کے قلعوں اور قصبوں کی فصیلوں کی تعمیر اور امیر عنبسہ بن شحیم کلبی (۷۲۱ء تا ۷۲۶ء) کے زمانے میں افریقہ سے آنے والے بربر قبائل کی آبادکاری کے لیے بستیاں بسانے کے آثار ملتے ہیں۔ نیز عقبہ بن حجاج سلولی (۷۳۴ء تا ۷۳۹ء) کی جنوبی فرانس کے دریائے اڈیون کے کنارے پر مسلم چھاؤنیوں کی تعمیر اسی دور میں اشتورقہ اور جلیقیہ میں نومسلم آبادیاں اور ابوالخطار حسام بن ضرار کلبی کے زمانے میں محصور شامیوں کے لیے تعمیر کی ہوئی بستیاں بھی اسی دور کی تعمیرات ہیں۔

۷۱۲ء تا ۷۵۶ء کا یہ دورِ ولایت فنِ تعمیر میں کسی بھی جدت اور خوبصورتی کو جنم نہ

دے سکا۔ اس کی دیگر وجوہ میں ایک قابل ذکر وجہ یہ ہے کہ اُس دور میں اسپین ایک خود مختار ریاست کی بجائے دمشق کی ایک ولایت تھی نیز چوالیس سالہ دورِ حکومت میں ۲۲ والی مقرر ہوئے۔ چنانچہ والیوں کا مختصر دورانیہ علوم وفنون کے ارتقار کی سب سے بڑی رکاوٹ بن گیا۔ یوں ضرورتاً تعمیرات کا کام توجاری رہا لیکن قابلِ ذکر حد تک اس میں جدت وتنوع، نزاکت و پائیداری اور خوبصورتی ورعنائی جنم نہیں لے سکی۔

بہرحال دورِ سوالی میں قلعے، فصیلیں، سرکاری عمارتیں اور مدارس ومساجد دمشق وقیروان کے طرز پر بنتی رہیں۔ مثلاً ہر مسجد میں صحن کا ہونا ضروری تھا اسی طرح مسطح چھت کا مختصر یا طویل حرم، محراب تک کشادہ راستہ، قبلہ کی دیوار تک کے عمودی بغلی راستے قبلہ رخ دیوار کی متوازی محرابیں، صحن کی دوسری طرف محراب وغیرہ اس دور کی مساجد کے ضروری عناصر تھے۔ دیگر سرکاری وفوجی عمارتوں میں وسعت، پائیداری، بلندی اور کشادگی نظر آتی ہے جو آنے والے ایک عظیم فنِ تعمیر کی نوید محسوس ہوتی ہے جس کا آغاز عبدالرحمان الداخل (۷۵۵ء تا ۷۸۸ء) سے ہوا۔

مسلمانوں کی آمد سے قبل اسپین میں عمارتوں میں ستونوں کا استعمال تو یقیناً تھا لیکن یہ ستون شکل وصورت، قد وقامت، وضع قطع اور رنگ ومسالے میں یکساں نہیں ہوتے تھے۔ مسلمانوں کی ابتدائی تعمیرات میں بھی یہی رنگ نظر آتا ہے۔ چنانچہ مسجدِ قرطبہ، قصرِ کبیر اور پل قرطبہ کے ستونوں میں ترتیب وتنظیم، حسن ورعنائی اور نزاکت ونفاست کا وہ معیار نظر نہیں آتا جو بعد کے زمانے کے قصرِ مامون، مینارِ اشبیلیہ اور قصر الحمرار کے بیت الاسود کے ستونوں میں نظر آتا ہے۔

مسجد قرطبہ اور دیگر ابتدائی عمارتوں کے برعکس بعد کی عمارتوں کے ستونوں میں نہ صرف علم الجبرار کا استعمال کیا گیا ہے بلکہ ان کے پیچ وخم میں اصولِ ہندسہ کے زاویوں کا بھی استعمال ملتا ہے جو محیر العقول ہے کیونکہ وقت کے ساتھ ساتھ ستونوں کی بناوٹ نازک سے نازک تر ہوتی چلی گئی جو نت نئی اختراعات کی حامل ہوتی تھی۔ ستون کہیں پر اکہرے بنے ہوئے ہیں اور کہیں پر دہرے۔ کہیں سادہ ہیں جیسے قصرِ اشبیلیہ میں اور کہیں منقش جیسے قصر الحمرار، قصرِ مامون اور مینارِ اشبیلیہ میں۔ یہ کام بعض اوقات اس قدر نزاکت اور خوبصورتی کا حامل ہوتا کہ ہیرے جواہرات کا دھوکا ہوتا تھا۔ بطورِ خاص

محراب، منبر، گنبد اور مینار آرائش کے نادر نمونے بنے اور ان کی رعنائی کے لیے زیادہ تر صلاحیتیں صرف ہوتی رہیں۔[۵۵]

محرابوں کا استعمال عمارت کو جہاں پائیداری عطا کرتا ہے وہاں خوبصورتی کا بھی موجب ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسپین کی مسلم عمارتوں میں مختلف النوع محرابوں کا استعمال بکثرت ہوتا تھا۔ یہ استعمال بھی وقت کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا گیا بعض محرابیں تو خالصتاً مسلمانانِ اسپین کی مرہونِ منت تھیں جن میں "عجمی محراب" "نوکیلی محراب" اور "پھیلی ہوئی محراب"۔ عجمی محرابوں میں دہری کھڑکیاں ہوتی تھیں۔ جن کے درمیان ایک نازک سا ستون قائم کر کے الگ کر دیا جاتا تھا نیز یہ اس قدر نازک ہوتی تھیں اور ان میں اس قدر کم مسالہ استعمال کیا جاتا تھا کہ ماہرین آج تک حیران ہیں کہ اس قدر بڑے پایوں اور کارنسوں کا بوجھ ان نازک محرابوں نے کس طرح سہار رکھا ہے۔ قصر الزہرہ۔ قصر مامون اور الحمراء میں یہی عجمی محرابیں بنائی گئی ہیں۔ اسی طرح نوکیلی محرابیں اور نیچے کو پھیلی ہوئی محرابوں کی بہترین مثال قصر زہرہ اور قصر اشبیلیہ بالترتیب ہیں۔ اسی طرح حاجب المنصور نے ۹۹۰ء میں جامع مسجد قرطبہ میں محوری قطر سے ہٹ کر عمارت میں ایک سمت اضافہ کیا اور پہلی بار ایک نئی طرز کی "نعل نما" محرابیں تعمیر کی گئیں جو دسی گوتھ طرزِ تعمیر سے لی گئی تھیں اس طرز کی محرابوں کے دو حصے نمایاں ہوتے ہیں جن کو چار ستونوں پر قائم کیا جاتا ہے جس سے عمارت کی پائیداری میں اضافہ ہوتا ہے نیز خوبصورتی و جاذبیت کے لیے پتھر اور اینٹوں سے ایک کمان بنائی گئی تھی۔ اس کے نتیجے میں وسیع و عریض حرم مسجد میں ستونوں کا ایک اژدہام نظر آتا ہے جو ایک نئے طرز کا مظہر ہے۔ اسی زمانے میں سہ برگی اور کثیر قوسی محرابیں بھی تعمیر کی گئیں۔ جن کو اسلامی تشخص دینے کے لیے ہلالی شکل دے دی گئی یہی نازک محرابیں سیک ستونوں کے ساتھ جھروکوں میں نظر آتی ہیں جو عمارتوں کے حسن کو دوبالا کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ یہ محرابیں اس قدر خوبصورت تھیں کہ عیسائیوں نے بھی ان کو اختیار کیا بلکہ اپنی عبادت گاہوں میں ان ہلالی شکل والی محرابوں کو بلا جھجک استعمال کیا۔ جن میں خوشنما قبے ہوتے تھے جو زاویائی طاقچوں اور تہ بہ تہ محرابی قوسوں کی وجہ سے ہشت پہلو نظر آتے تھے۔

اسپین کے ماہرین نے مسجد کے میناروں میں بھی ایک نیا اسلوب اختیار کیا۔

اسپین کے علاوہ باقی ممالکِ اسلامیہ میں مساجد و مقابر کے مینار مخروطی، مربع یا گول اور اوپر سے مخروطی ہوتے تھے۔ جبکہ صناعانِ اسپین نے مسجدوں کے میناروں میں جدت طرازی اختیار کرتے ہوئے ان کو مربع شکل دی۔ نیز دیواروں کے گوشوں اور زاویہ قائمہ کو پر کرنے کی غرض سے اور مربع حجروں اور گول چھتوں کی درمیانی جگہوں کو بھر دینے کے لیے ابھرے ہوئے طاق بنائے جن کی شکل مثلث کر دی ہوتی تھی۔ مزید اختراع یہ بھی کی کہ ان کر دی طاقوں کو منشور نما بنا کر ان کے ضلعے مقرر کر دیے۔ انہی تخلیقی صلاحیتوں نے اسپین کے مسلم فنِ تعمیر کو سیول، فیض، تلمسان اور دیگر مقامات میں مقبول بنایا حتیٰ کہ سقوطِ قرطبہ کے بعد جب جامع قرطبہ کو گرجا بنا دیا گیا تو اس میں ایک مناجاتی کٹہرہ تعمیر کیا جس کے ایک نئے وسطی باب میں الحمراء کا طرز اختیار کیا گیا۔ اسی طرح سیول کے القصر میں بھی الحمراء کے فنِ تعمیر کو اپنایا گیا نیز یہ کہ صحنِ مریم میں جو کنگرے دار کمانیں اور لوزی نقاشی نظر آتی ہے وہ غرناطہ کی ہی تقلید ہے کیونکہ اس کے کچی کے دَتے تو ہو بہو الحمراء ہی کی نقل ہے حتیٰ کہ جن دو کتبوں میں ڈان پڈرو کی تعریف کی گئی ہے وہ عربی زبان میں تحریر ہیں۔

اسپینی فنِ تعمیر کی ایک اور نمایاں خاصیت خوبصورتی، رعنائی، دلکشی اور دل فریبی تھی۔ اگرچہ عمارتوں کا بیرونی حصہ عموماً سادہ اور بے رونق ہوتا تھا۔ لیکن وہ اندر سے منقش اور جاذبِ نظر ہوتی تھیں کیونکہ ان کی زیبائش و آرائش پر ممکنہ حد تک توجہ دی جاتی تھی اور یہ وہ پہلو تھا جس کو عبدالرحمان الداخل کے زمانے سے ہی اختیار کیا گیا تھا۔ چنانچہ مسجدِ قرطبہ سے لے کر قصر الحمراء تک عمارتوں کے اندرونی حصوں میں صناعوں کا تصورِ رعنائی اور تخیل جاذبیت اپنے انتہائی عروج پر ہوتا تھا۔ زخرفۃ العرب، گچ کاری، پچی کاری اور سیپ کا کام اس قدر مہارت اور پائیداری لیے ہوئے تھا کہ صدیوں کے امتدادِ زمانہ کے باوجود ان کی چمک۔ جاذبیت اور کشش میں سرِ مو فرق نہیں آیا۔

سفالی کی پچی کاری میں مسلمانانِ اسپین کی اولیت مسلم ہے۔ اس میدان میں ان کی ایجادات واختراعات کے ثبوت چھتوں، دیواروں اور ستونوں پر اس طرح ثبت ہو گئے کہ یورپ اور ایشیا کے نقادانِ فن نے ان کو فنِ تعمیر میں بے مثل

پیش رفت قرار دیا۔ سرقسطہ کے خاندان بنوہود (۱۰۱۰ء تا ۱۱۱۸ء) کے معروف حکمراں احمد المقتدر (۱۰۴۶ء تا ۱۰۸۳ء) کے عہد میں تعمیر ہونے والے محلات "قصر دارالسرور" اور "قصر الجعفریہ" اس کی وہ مثالیں ہیں جن کے آثار آج تک موجود ہیں۔ خوبصورتی کے لیے عمارتوں کی چھتیں اس طرح بنائی جاتی تھیں کہ ان کو گنا جا سکتا تھا۔ نیز چھتوں میں جو کڑیاں استعمال ہوتی تھیں وہ تین اطراف سے منقش ہوتی تھیں۔ چھت کے تختوں پر رنگین گل کاریاں ہوتی تھیں اور پھول اور پتیوں کے ابھرے ہوئے حصوں پر سونا چڑھا ہوا ہوتا تھا۔ محرابوں، منبروں، ستونوں اور دروازوں پر آبنوس، ہاتھی دانت، سیپ اور کھوے کی کھوپڑی کا کام ہوتا تھا۔ بعض اوقات عمارتوں کی خوبصورتی کے لیے فنی تقاضوں کو بھی پس پشت ڈال دیا جاتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود عمارت اور اس کے ہر حصے کی تعمیر میں مقصدیت ہمیشہ پیش نظر رہی حتیٰ کہ آرائش و زیبائش کو اولیت حاصل ہونے کے باوجود بلاضرورت کسی بھی آرائشی چیز کا اضافہ نہیں کیا جاتا تھا نتیجۃً ہر عمارت میں ترتیب، کشادگی، ڈھانچہ، ساخت، نقش و نگار، روشنی اور نقل و حرکت میں سہولت نظر آتی ہے۔[۵۵]

نقش و نگار کے فن نے اہلِ نظر سے بے ساختہ داد تحسین حاصل کی اور صدیاں گزر جانے کے باوجود بھی ان کی تابندگی باقی ہے۔ چنانچہ مساجد ہوں یا مقابر، مدارس ہوں یا خانقاہیں، محلات ہوں یا باغات، حتیٰ کہ رصدگاہیں ہوں یا سرکاری عمارات غرضیکہ اندلس کی شاید ہی کوئی سرکاری یا نجی عمارت ہو جس پر قرآنی آیات، احادیث مبارکہ، اقوال زریں، ضرب الامثال یا اشعار تحریر نہ ہوں جو ہندسی اشکال کی مرہونِ منت ہوتی تھیں لیکن بعض اوقات ہندسی اشکال کی پیروی میں فنی اعتبار سے بعض اغلاط بھی رہ جاتی تھیں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ہنرمندوں کی مہارت اور رنگوں کی خوشنما آمیزش کی بنا پر عموماً ان کی طرف کسی کی توجہ مبذول نہیں ہوتی تھی۔[۵۶]

صدیوں پر محیط فنِ تعمیر کے مرحلے وار جائزہ کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے عقائد و نظریات کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہر جگہ علاقائی اثرات اختیار کرنے میں کبھی پس و پیش سے کام نہیں لیا۔ سندھ سے لے کر مراکش تک کی تعمیرات میں یہی نظر آتا ہے لیکن اندلسی فنِ تعمیر میں انھوں نے نیا انداز اختیار کیا اور اپنی روایات سے ہٹ کر

ایک نئے اور بالکل اچھوتے طرزِ تعمیر کو روشناس کرایا۔

یہ ایک ایسا طرزِ تعمیر تھا جس میں بیک وقت اسلامی، عربی، ہسپانوی، یہودی اور عیسائی فنِ تعمیر کا حسین امتزاج نظر آتا ہے اور ان فنون کے یکجا ہونے سے جو فنِ تعمیر سامنے آتا ہے اس کو ہم اندلس کا مسلم فن تعمیر کہتے ہیں۔

حواشی و مراجع

۱ ارنسٹ کوہل (مترجم کیتھرائن وٹین) Islamic Art & Architecture. لندن ۱۹۶۶ء ص ۱۲۶

۲ نواب ذوالقدر جنگ، خلافتِ اندلس، حیدرآباد دکن، اشاعت دوم ص ۳۶۹ تا ۳۷۰

۲ الف الوزیر محمد لسان الدین بن الخطیب (مترجم سید احمد اللہ ندوی) تاریخِ غرناطہ، حصہ اول، کراچی ۱۹۶۳ء ص ۲۴

۳ رشید اختر ندوی، تہذیب و تمدن اسلامی، حصہ دوم لاہور ۱۹۵۲ء ص ۵۶۰، مزید دیکھئے۔

غلام رسول، اسلام کے کارہائے نمایاں، لاہور، ۱۹۸۴ء ص ۶۱۳

۴ سٹنلے لین پول (مترجم منشی حامد علی صدیقی) مسلمان اندلس میں، کراچی (س۔ن) ص ۱۱۶ تا ۱۱۸

۵ شیخ احمد Muslim Architecture کراچی (س۔ن) ص ۱۱۵، مزید دیکھئے۔

ذوالقدر جنگ بحوالۂ سابقہ ص ۱۶۶ و آئی ایچ برنی، مسلم اسپین۔ کراچی ۱۹۶۹ء ص ۵۰۳۔

مولوی نور احمد تالیف (مترجم رحمان مذنب) مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے، کراچی ۱۹۷۱ء ص ۹۰ و

سید امیر علی Short History of the Saracens لندن ۱۹۶۱ء ص ۵۱۶ مزید دیکھئے

رشید اختر ندوی بحوالہ سابقہ ص ۵۶۱ اسٹینلے لین پول بحوالۂ سابقہ ص ۱۸۳

۶ ذوالقدر جنگ بحوالۂ سابقہ ص ۱۶۵

۷ آئی ایچ برنی بحوالۂ سابقہ ص ۵۰۶ (۷ الف) سر تامس آرنلڈ (مرتبہ) میراثِ اسلام (ترجمہ)

لاہور ۱۹۶۰ء بار اول ص ۲۲۸۔

۸ فلپ کے ہٹی History of the Arabs نیویارک ۱۹۷۰ء ص ۲۹۴

۹ رشید اختر ندوی بحوالۂ سابقہ ص ۵۵۸، مزید دیکھئے آئی۔ ایچ برنی بحوالہ سابقہ ص ۵۰۶ و

ذوالقدر بحوالہ سابقہ ص ۱۶۶

۱۰ فلپ کے ہٹی The Arabs لندن ۱۹۶۰ ص ۱۲۷ و سید امیر علی بحوالۂ سابقہ

ص ۵۱۷ و آئی۔ ایچ برنی بحوالہ سابقہ ص ۵۰۷ تا ۵۰۸

۱۱ گستاؤلی بان (مترجم سید علی بلگرامی) تمدن عرب، لاہور (س۔ن) ص ۴۱۸ و سید امیر علی بحوالۂ سابقہ ص ۵۱۷ و ذوالقدر جنگ بحوالۂ سابقہ ص ۱۶۷ و احسان الحق بحوالۂ سابقہ ص ۴۸۱

۱۲ آئی ایچ برنی بحوالۂ سابقہ ص ۵۰۷ و ۵۰۹ تا ۵۱۲، الزہرہ و الزاہرہ کے لیے مزید دیکھئے۔ رشید اختر ندوی بحوالۂ سابقہ ص ۵۶۳ تا ۵۶۸ و ذوالقدر جنگ بحوالۂ سابقہ ص ۲۱۷ مزید دیکھئے: احمد بن محمد ابوالعباس المعروف المقری (مترجم مولوی خلیل الرحمٰن) نفح الطیب (جلد الزہرہ) و علامہ عبدالرحمان ابن خلدون (مترجم حکیم احمد حسین) تاریخ ابن خلدون (حصہ پنجم امیران اندلس اور خلفائے مصر) کراچی ۱۹۶۶ء ص ۳۱۶ تا ۳۱۷۔

۱۳ سید امیر علی بحوالۂ سابقہ ص ۵۱۶، مزید دیکھئے ابن خلدون بحوالۂ سابقہ ص ۳۱۷ تا ۳۱۸ و خلیب کے ہٹی بحوالۂ سابقہ ص ۱۲۹ و لین پول بحوالۂ سابقہ ص ۱۷۶

۱۴ سید امیر علی بحوالۂ سابقہ ص ۵۱۷، مزید دیکھئے۔ لین پول بحوالۂ سابقہ ص ۱۷۱ و محمد احسان الحق "مسلمان یورپ میں" لاہور ۱۹۷۳، ص ۴۶۹ تا ۴۷۱

۱۵ سید امیر علی بحوالۂ سابقہ ص ۴۸۰ مزید دیکھئے۔ ذوالقدر جنگ ص ۱۲۳ و آئی ایچ برنی ص ۱۸۸ تا ۱۸۹

۱۶ غلام رسول بحوالۂ سابقہ ص ۶۱۴ و سید امیر علی بحوالۂ سابقہ ص ۵۱۶ و لین پول بحوالۂ سابقہ ص ۱۸۰

۱۷ سید امیر علی بحوالۂ سابقہ ص ۵۱۶

۱۸ رشید اختر ندوی بحوالۂ سابقہ ص ۵۶۵ و سید امیر علی بحوالۂ سابقہ ص ۵۱۶

۱۹ لین پول بحوالۂ سابقہ ص ۱۸۲ اور رشید اختر ندوی بحوالۂ سابقہ ص ۵۷۰

۲۰ مقری بحوالۂ سابقہ ص ۲۴۸ مزید دیکھئے سید امیر علی بحوالۂ سابقہ ص ۵۱۷

۲۱ امیر علی بحوالۂ سابقہ ص ۵۱۷ مزید دیکھئے گستاولی بحوالۂ سابقہ ص ۴۱۸

۲۲ ایضاً مزید دیکھئے پرائن ہارٹ ڈوزی (مترجم مولوی عنایت اللہ) عبرت نامہ اندلس (حصہ دوم) لاہور (س۔ن) ص ۷۲۴ تا ۷۲۵

۲۳ ذوالقدر جنگ، بحوالہ سابقہ ۱۶۶ مزید دیکھئے سید امیر علی بحوالۂ سابقہ ص ۵۱۷ و رشید اختر ندوی بحوالۂ سابقہ ص ۵۵۸

۲۴ دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۶ لاہور ص ۸۵۲

۲۴ الف رشید اختر ندوی ص

۲۵ تفصیل کے لیے دیکھئے۔ ابن خلدون بحوالۂ سابقہ، ص ۳۲۹ تا ۳۳۳

۲۶؎ آئی۔ ایچ برنی بحوالہ سابقہ ص ۵۰۷ تا ۵۰۸ مزید دیکھئے ذوالقدر جنگ بحوالہ سابقہ ص ۲۱۷ تا ۲۱۸ رشید اختر ندوی بحوالہ سابقہ ص ۵۶۸ تا ۵۶۹

۲۷؎ ذوالقدر جنگ بحوالہ سابقہ ص ۲۱۷

۲۸؎ آئی ایچ برنی بحوالہ سابقہ ص ۵۰۹ تا ۵۱۰ وگستاولی بحوالہ سابقہ ص ۴۲۳

۲۹؎ گستاولی بحوالہ سابقہ ص ۴۲۰

۳۰؎ آئی۔ ایچ برنی بحوالہ سابقہ ص ۵۱۰ تا ۵۱۱

۳۱؎ گستاولی بحوالہ سابقہ ص ۴۲۴ وسید امیر علی بحوالہ سابقہ ص ۵۶۷

۳۲؎ گستاولی بحوالہ سابقہ ص ۴۲۰ مزید دیکھئے آئی ایچ برنی بحوالہ سابقہ ص ۵۱۱ تا ۵۱۲

۳۳؎ اسکاٹ، اخبار الاندلس جلد سوم

۳۴؎ گستاولی بحوالہ سابقہ ص ۶۶۷

۳۵؎ ایضاً ص ۴۲۰

۳۶؎ آئی۔ ایچ برنی بحوالہ سابقہ ۵۰۳ تا ۵۰۴

۳۷؎ ایضاً ص ۵۰۲

۳۷ الف؎ رشید اختر ندوی بحوالہ سابقہ ص ۵۷۴

۳۸؎ آئی۔ ایچ برنی بحوالہ سابقہ ص ۵۰۲

۳۹؎ گستاولی بحوالہ سابقہ ص ۶۶۷

۴۰؎ اسکاٹ بحوالہ سابقہ جلد سوم بحوالہ رشید اختر ندوی بحوالہ سابقہ ص ۵۶۲

۴۱؎ اسکاٹ بحوالہ سابقہ و رشید اختر ندوی بحوالہ سابقہ ص ۵۷۵

۴۲؎ گستاولی بحوالہ سابقہ ص ۶۷۳ مزید دیکھئے نصیر احمد ناصر تاریخ ہسپانیہ، لاہور ۱۹۹۱ء ص ۵۰۱

۴۲ الف؎ نصیر احمد ناصر بحوالہ سابقہ ص ۵۰۱

۴۳؎ گستاولی بحوالہ سابقہ ص ۶۷۱ و محمد احسان الحق بحوالہ سابقہ ص ۴۶۶

۴۴؎ ایضاً ص ۶۷۴ و محمد احسان الحق بحوالہ سابقہ ص ۴۶۶

۴۵؎ مغربی بحوالہ سابقہ جلد سوم۔ مزید دیکھئے رشید اختر ندوی بحوالہ سابقہ ص ۵۷۲

۴۶؎ ابن خلدون بحوالہ سابقہ ص ۳۱۶ مزید دیکھئے رشید اختر ندوی ص ۵۶۷ تا ۵۶۸

۴۷ بحوالہ رشید اختر ندوی بحوالۂ سابقہ ص ۵۶۶

۴۸ عبدالرحمان الداخل کے سکریٹری ابن یزید نے یہ سارے معاملات طے کیے تھے۔ دیکھئے شیخ احمد بحوالۂ سابقہ ص ۱۱۳ ڈوزی نے اس کی مزید تفصیل دی ہے کہ معاملہ ایک لاکھ دینار سرخ میں طے ہوا تھا۔ جو موجودہ حساب سے ۴ لاکھ ۴۴ ہزار پونڈ بنتے ہیں۔ دوزی نے کتاب ۱۸۶۱ میں تحریر کی تھی۔ اس پس منظر میں موجودہ قیمت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ڈوزی بحوالہ سابقہ ص ۴۱۷ ومزید دیکھئے رشید اختر ندوی ص ۵۵۷

۴۹ رشید اختر ندوی بحوالۂ سابقہ ص ۵۲۲

۵۰ ایضاً ص ۵۶۰

۵۱ ہٹی بحوالۂ رشید اختر ندوی حوالۂ سابقہ ص ۵۶۶

۵۱ الف ہارٹ ڈوزی بحوالۂ سابقہ (حصہ دوم) ص ۷۲۳ تا ۷۲۵

۵۲ رشید اختر ندوی بحوالۂ سابقہ ص ۵۶۶ و لندن ٹائمز (انگریزی)۔ (روزنامہ) ۲۸ دسمبر ۱۹۱۰ء و برٹنگٹن میگزین اگست ۱۹۱۱

۵۳ فلپ کے ہٹی بحوالۂ سابقہ ص ۱۲۷ و ۱۲۹ مزید دیکھئے ابن الخطیب بحوالۂ سابقہ حصہ اول ص ۲۸، ۳۸ تا ۴۱

۵۴ ارنسٹ کوہنل بحوالہ سابقہ ص ۱۲۵ ۵۵ ایضاً

۵۶ تفصیل کے لیے دیکھئے جوناس ہرمن Earthly paradise, arden & ou t yard in Islam (س۔ن) ص ۴۱ تا ۸۴

۵۷ تفصیل کے لیے دیکھئے: اولیگ گربر Islamic Architecture & its Decoration لندن (س۔ن) ص ۷۲ تا ۸۵

عہدِ نبویؐ کے غزوات وسرایا

ڈاکٹر رؤف اقبال صاحبہ نے اس تصنیف میں اسلام کے نظریہ جہاد پر اسلامی موقف کی بے لاگ ترجمانی کی ہے اور اس پر کیے جانے والے اعتراضات کا مسکت اور مدلل جواب دیا ہے۔

۱۲ فسٹ کی طباعت۔ صفحات ۲۴۷ قیمت ۲۵ روپئے

ملنے کا پتا: ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲